اکائی 1 جدید اردو غزل کا تعارف

ساخت

1.1 اغراض و مقاصد
1.2 تمہید
1.3 جدید اردو غزل کا تعارف
1.31 نوکلاسیکی غزل گوئی
1.3.2 ترقی پسند غزل گوئی
1.3.3 جدیدیت کی غزل گوئی
1.4 آپ نے کیا سیکھا؟
1.5 اپنا امتحان خود لیجیے
1.6 سوالوں کے جوابات
1.7 فرہنگ
1.8 کتب برائے مطالعہ

1.1 اغراض و مقاصد

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ:

- جدید غزل کی اہمیت وافادیت سے متعارف ہوں گے۔
- جدید غزل میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو جانیں گے۔
- جدید غزل گوئی کے رجحانات ومیلانات سے واقف ہوں گے۔
- جدید غزل گوشعرا کے فکر سخن اور طرز اظہار کی معلومات حاصل کریں گے۔
- غزل کی روایت میں جدید غزل کی قدر و قیمت کو سمجھیں گے۔

1.2 تمہید

عزیز طلبا! آپ کے کورس ''جدید اردو غزل کا مطالعہ'' کے پہلے بلاک میں تین اکائیاں شامل ہیں۔ یہ تینوں اکائیاں جدید اردو غزل کے مفہوم، خصوصیات اور ارتقا کو سمجھنے میں معاون ہوں گی۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اردو غزل کی ایک مضبوط روایت رہی ہے۔ لیکن انگریزوں کے تسلط کی وجہ سے عہد غالب میں سماجی اقدار میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں جس کے اثرات اردو غزل پر بھی پڑے۔ تبدیلی کے یہ نقوش غالب کی غزل گوئی میں ہمیں بخوبی نظر آتے ہیں۔ غالب کے بعد باضابطہ طور پر اردو غزل میں کلاسیکی غزل کے برعکس جدید تصورات کا دخل بڑھتا گیا۔ لہٰذا اس اکائی میں آپ جدید غزل کے بنیادی خدوخال، بدلتے خیالات، فکری میلانات اور رجحانات کی اہمیت وافادیت کا تفصیلی مطالعہ کریں گے۔

1.3 جدید اردو غزل کا تعارف

1.31 نوکلاسیکی غزل گوئی

انگریزوں کی حکومت کے زیر اثر سماجی، سیاسی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار میں تبدیلیاں رونما ہوئیں، جس کے دوررس اثرات کلاسیکی غزل پر بھی پڑے۔ ابتدا سے کلاسیکی اردو غزل اپنی شعریات (اصول) کی پابند تھی۔ ان اصولوں میں رسومیات، جمالیات اور تصور کائنات کارفرما تھا۔ رسومیات سے مراد یہ ہے کہ وہ روایت اور طور طریقے جن کی مدد سے شاعری (غزل) کی داخلی اور خارجی صورت متعین ہوتی ہے۔ جمالیات کا مطلب یہ ہے کہ شعر کو زیادہ سے زیادہ حسین بنا کر پیش کرنا، جس کا انحصار لفظیات کے استعمال کی نوعیت پر تھا اور کلاسیکی غزل کی لفظیات بھی متعین تھی۔ کلاسیکی غزل کی شعریات کا سب اہم جز تصور کائنات ہے۔ اس تصور کے پیچھے عقیدہ اور تقدیر کا خاص دخل تھا۔ انہیں تینوں تصورات کے پس منظر میں غزلیں کہی جا رہی تھیں۔ ان تصورات کے تحت غزل کے موضوعات اس قدر متعین ہو چکے تھے کہ کلاسیکی غزل گو شعرا ان سے انحراف کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ انفرادی طور پر اگر شاعر اپنی مخصوص شعریات سے بغاوت کر کے شعر کہنے کی کوشش بھی کرتا تو اسے پنپنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ لیکن جب مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد پرانی تہذیب اور قدریں پامال ہوئیں اور انگریزوں کے توسط سے نئی اور پرانی تہذیب وثقافت کے امتزاج سے ایک نیا تصور شعر ابھر کر سامنے آیا تو وہیں سے اردو غزل کی روایات میں انحراف کی صورتیں ملنی شروع ہوئیں۔ یہ انحرافی رویہ سب سے پہلے غالؔب کی غزل گوئی میں سامنے آتا ہے۔ اگرچہ غالب بنیادی طور پر کلاسیکی غزل کے شاعر ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے کلام میں عصری حقیقتوں کے عرفان نے ایک نئے موڑ کی بشارت دی۔ لہٰذا جس طرح محمد حسین آزاد اور حالی جدید نظم کے پیش رو ہیں، عین اسی طرح غالب جدید غزل کے اولین معمار ہیں۔ ایک شعر بطور نمونہ دیکھیے :

تری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

پہلی بار کلاسیکی غزل میں یہ موضوع اٹھایا گیا کہ محبوب کے علاوہ دوسرے غم بھی قابل توجہ ہیں۔

انجمن پنجاب اور تحریک سرسید کے زیر اثر محمد حسین آزاد اور حالی نے جدید غزل کے ارتقا میں اپنے منفی رویہ سے اہم کارنامہ انجام دیا۔ وہ اس طرح کہ ان کے خیالات نظم کے لیے مفید لیکن غزل کے لیے حوصلہ شکن تھے۔ غزل کی حوصلہ شکنی کی ضرورت انھیں اس لیے محسوس ہوئی کہ غزل اپنے مزاج کے اعتبار سے واقعاتی بیان اور جزئیات نگاری کی متحمل نہیں تھی۔ ان کے نزدیک اردو شاعری چند بے موقع احاطوں میں گھر کر رہ گئی تھی۔ حالاں کہ ان کو غزل کی وسعت اور اس کی طاقت کا بخوبی احساس تھا، لیکن مصلحت کے تحت انھوں نے ناسخ، آتش اور غالب جیسے شعرا کو نامسموع قرار دیا۔ استعارہ سازی، نازک خیالی اور خیال بندی کو بھی اردو شاعری کا محدود دائرہ قرار دیا۔ الطاف حسین حالی بھی اسی ادبی روایت کے پروردہ اور مزاج داں تھے جس میں محمد حسین آزاد پروان

چڑھے۔ حالی کی ابتدائی شاعری بالخصوص غزل گوئی اسی روایتی انداز کی تھی جس کی انھوں نے جم کر مخالفت کی۔ انھوں نے روایتی طرز کی غزلوں کو ہدف ملامت بنایا اور خود بھی عملی طور پر روایتی طرز کو چھوڑ کر نئی طرز اپنائی۔ ان کی غزلوں کے موضوعات کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ غزل کے احاطۂ مضامین کو وسعت دینے میں حالی کا کردار بھی اہم ہے۔

لہٰذا یہ حقیقت ہے کہ آزادؔ، حالیؔ اور بعض دوسرے مشاہیر کے مقصدی، اصلاحی اور افادی خیالات کے باعث جدید اردو غزل کا ارتقا ہوا۔ اس دور کے نامور شعرا نے آزاد اور بالخصوص حالی کے خیالات سے متاثر ہو کر کسی نہ کسی درجے میں نئی طرز کی غزلیں تخلیق کیں، جن میں مقصدیت، افادیت، فلسفیانہ افکار، وجودی مسائل، زاہد، واعظ، عابد پر طنز اور فقرے بازی سے گریز، صنائع بدائع، رعایت لفظی اور مناسبات معنوی کا کم استعمال اور مسلسل غزلوں کی طرف زیادہ میلان صاف نظر آتا ہے۔ غزل کے تصورات اور اسالیب میں تبدیلی آئی۔ غزل میں عشق و عاشقی کے مضامین کم ہوئے یا مقصود بالذات نہیں رہے۔ حسن بیان اور صنائع بدائع کا رجحان کم ہوا۔ سادہ اور روزمرہ کی زبان میں مفاہیم ادا کیا جانے لگا۔ اعلیٰ مقاصد سے وابستہ ہونے کی طرف میلان بڑھ گیا۔ لہٰذا کلاسیکی دور کے بعد اردو میں نو کلاسیکی دور کا آغاز ہوا۔ نو کلاسیکی شعرا اگرچہ روایت کی پاس داری کرتے ہوئے غزلیں کہہ رہے تھے، لیکن اس کے باوجود ان کے یہاں بھی جدید غزل کے نقوش بڑی شد و مد کے ساتھ ابھرنا شروع ہو چکے تھے۔ اس دور کے شعرا میں حالیؔ، شادؔ عظیم آبادی، اقبالؔ، جوہرؔ، ریاضؔ خیر آبادی، صفیؔ لکھنوی، فانیؔ بدایونی، حسرتؔ موہانی، جلیلؔ مانک پوری، ثاقبؔ لکھنوی، عزیزؔ لکھنوی، اصغرؔ گونڈوی، یاسؔ یگانہ چنگیزی، جگرؔ مرادآبادی، آرزوؔ لکھنوی، فراقؔ گورکھپوری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ شعرا جدید غزل کی سمت و رفتار متعین کرنے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان شعرا کے یہاں اگرچہ ایک طرف کلاسیکی رنگ و آہنگ کی بازیابی اور روایت کی پابندی ہے تو دوسری سمت روایت سے انحراف اور آزاد ہونے کی شعوری کوشش بھی ملتی ہے۔ مثلاً: شادؔ عظیم آبادی نے اس بات کی بہت فکر کی کہ کس طرح غزل کو نئے مذاق کے مطابق ڈھالا جائے۔ اسی خیال کے تحت انھوں نے کثرت سے مسلسل غزلیں کہیں۔ وہ کنج غزل میں شاما اور کوکلا کے نالے سننا چاہتے تھے، شیریں و فرہاد اور لیلیٰ و مجنوں کی جگہ نل دمن اور ہیر رانجھا کے عشق کی داستان کو اردو غزل کی استعاراتی دنیا میں داخل کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ وہ اردو غزل میں ہندوستانی مزاج اور فضا پیدا کرنے کے خواہاں تھے۔ مثال کے طور پر شادؔ عظیم آبادی کا درج ذیل شعر ملاحظہ کیجیے:

کالی گھٹائیں باغ میں جھولے دھانی دوپٹے لٹ چھٹکائے

مجھ پہ یہ قدغن آپ نہ آئیں اف ری جوانی ہائے زمانے

حالی، شاد، حسرت، اقبال، فانی اصغر، یگانہ، شاد عارفی اور فراق گورکھپوری وغیرہ شعرا نے اپنے منفرد آہنگ تغزل سے غزل کے نئے رنگ کو قبول عام کر کے اس کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کیا۔ مسلسل غزل کہنے کا رجحان بھی عام ہوا۔ حالی، شاد اور علامہ اقبال کے یہاں مسلسل غزلوں کی خاصی تعداد ملتی ہے۔ یہاں پر اس کی چند مثالیں دیکھیے:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں
ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سا لاکھ سہی تو مگر کہاں

(حالی)

چین دے گا نہ مجھے تازہ اسیری کا خیال
دھیان اس کا نہ تجھے حسرت پرواز آیا

(شاد عظیم آبادی)

اقبال یوں تو نظم کے شاعر ہیں لیکن وہ ایک منفرد غزل گو بھی ہیں۔ انھوں نے نئے مضامین کو کلاسیکی رچاؤ اور تصور شعر کے ساتھ برتا۔ انھوں نے استعارے سے گریز تو نہیں کیا لیکن مضامین اور احساسات کی سطح پر غزل کو ایک نئی دنیا سے ہم کنار کیا۔ اقبال نے مقصد، افادیت اور فلسفہ و فکر کو فن بنا دیا۔ انھوں نے اردو غزل کو ایسا ذہن دیا جس کی وجہ سے اس کے آفاق مزید روشن ہوئے۔ غزل کی شاعری میں موضوع کا حسن و عشق کے تعلق سے بیان ہونا یا اس کا براہ راست یا بالواسطہ طور پر عشق سے منسلک ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن اقبال کی غزلوں کے بیشتر اشعار اور عموماً پوری پوری غزل میں یہ بات صاف محسوس ہوگی کہ یہاں دنیا ہی بدل گئی ہے۔ مثلاً اقبال کے درج ذیل اشعار پر غور کیجیے:

اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی
خطا کس کی ہے یا رب لامکاں تیرا ہے یا میرا

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم راز درون مے خانہ

مندرجہ بالا شعر پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی دنیا روایتی غزل کی دنیا سے بالکل مختلف ہے۔ دھیان دینے پر یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان اشعار میں کوئی شعر ایسا نہیں جس میں کوئی رسمیاتی لفظ استعمال نہ ہوا ہو۔

آئینہ و دل دونوں کہنے ہی کی باتیں تھیں
تیری ہی تجلی تھی اور تو ہی مقابل تھا

(فانی)

دل مضطر کی سادگی دیکھو
پھر انھیں سے سوال کرتا ہے

(حسرت موہانی)

خدا ہی جانے یگانہ میں کون ہوں کیا ہوں
خود اپنی ذات پہ شک دل میں آئے ہیں کیا

ٹکٹکی بندھ جائے گی مطلب ادا ہوجائے گا
لذت ہی اور ہوتی ہے چوری کے مال کی

(یگانہ چنگیزی)

شام بھی تھی دھواں دھواں حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

(فراق گورکھپوری)

بنا لیتا ہے موج خون دل اک چمن اپنا
وہ پابند قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے
یہاں کوتاہی ذوق عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

(اصغر گونڈوی)

یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کیے جارہا ہوں میں
آتش عشق وہ جہنم ہے
جس میں فردوس کے نظارے ہیں

(جگر مرادآبادی)

اس دور میں معنی خیز ترکیبوں کا استعمال کیا جانے لگا۔فطری جذبات کا نشاطیہ اظہار غزلوں میں پیش کیا جانے لگا۔انسان کے طرز احساس میں تبدیلی واقع ہونے کے باعث غزل میں رموز کائنات کی نت نئی جہتوں کو تلاش کیا جانے لگا۔اس دور کی غزل گوئی میں موضوعات میں تنوع اور وسعت پیدا ہوئی۔غزل کے لب و لہجہ اور اسالیب میں رفتہ رفتہ تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔

1.3.2 ترقی پسند غزل گوئی

بیسویں صدی کی چوتھی دہائی کے نصف یعنی ۱۹۳۶ء سے ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اردو غزل کا مزاج بالکل مختلف ہوجاتا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ اس تحریک کے زیر سایہ اردو نظم کو خاصا فروغ حاصل ہوا، جب کہ غزل کی سخت مخالفت کی گئی۔لیکن اس کے باوجود غزل نے اپنے فن اور جادو بیانی کی طاقت پر اپنے ارتقا کو جاری وساری رکھا۔

ترقی پسند تصورات کے حامل بہت سے شعرا مثلاً مجاز لکھنوی ، مجروح سلطان پوری، مخدوم محی الدین، وامق جونپوری، معین احسن جذبی، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی، ساحرلدھیانوی نے غزل کو سراہا اور اسے اپنے مقاصد کی حصول یابی کی خاطر سینچا بھی۔ اس دور میں غزل کے موضوعات و مضامین اور مفاہیم یکسر بدل گئے ۔ کیوں کہ ان شعرا نے عصری تقاضوں سے اپنی غزلوں کو ہم آہنگ کیا۔ غزل گو شعرا نے ترقی پسند منشورات کے تحت وقتی انتشار، فرقہ وارانہ فسادات، مذہبی تنفرات اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف احتجاجی آواز کو اپنی غزلوں کا بنیادی موضوع بنایا۔ ترقی پسند دور کی غزلوں کا لب ولہجہ اور اسلوب عمومی زبان، باغیانہ تیور، خطابانہ طرز اظہار، بلند آہنگی سے متصف رہا۔ جس کی وجہ سے بیشتر ترقی پسند شعرا کی غزلیں تخلیق سے کہیں زیادہ تشہیر کے درجے میں داخل ہوگئیں۔ لیکن ہاں بعض ایسے بھی ترقی پسند غزل گو شعرا ہیں جنہوں نے فن کا احترام اور تخلیقی محاسن کے التزام کے ساتھ سماج اور عوامی زندگی کے مسائل کو موضوع بنایا۔ تشبیہ، استعارے، علائم اور کلاسیکی لفظیات کے ذریعے نئے معنی ومفہوم کے پیرائے میں عصری تقاضوں کو اپنی غزلوں میں پیش کیا۔ ان شعرا میں فیض کا نام سرفہرست ہے۔ مثال کے طور چند مختلف شعرا کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

آخر شب کے ہم سفر فیض نہ جانے کیا ہوئے
رہ گئی کس جگہ صبا صبح کدھر نکل گئی

چاند نکلے کسی جانب تری زیبائی کا
رنگ بدلے کسی صورت شب تنہائی کا

(فیض)

مجاز اپنی غزلوں میں کلاسیکی طرز بیان اور لفظیات کے پابند نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنی غزل گوئی میں صفائی، شستگی، شگفتگی اور ترنم پر خاص توجہ دی ہے۔ نوجوانوں میں بیداری، جرأت وحوصلہ، نغمے میں انقلاب اور عشق کو مقصدیت کی جانب موڑنے کے لیے غزلوں کو تخلیق کیا:

بہت مشکل ہے دنیا کا سنورنا
تری زلفوں کا پیچ و خم نہیں ہے

بخشی ہیں ہم کو عشق نے وہ جرأتیں مجاز
ڈرتے نہیں سیاست اہل جہاں سے ہم

(مجاز)

ہم تو کھلتے ہوئے غنچوں کا تبسم ہیں ندیم
مسکراتے ہوئے ٹکراتے ہیں طوفانوں سے

(مخدوم)

کیوں دار و رسن کے سائے میں منصور کی باتیں کرتے ہو
رکھنا ہے جو اونچا سر اپنا تو اپنے ہی سر کی بات کرو

(پرویز شاہدی)

شکست و فتح نصیبوں سے اب نہیں جذبی
کہ آج ہے دل ہر ناتواں میں عزم و یقیں

(جذبی)

صحرا کی گرم ریت پر بکھرے ہوئے یہ ہونٹ
اک موہنی سی پیاس کی تصویر چاہیے

(تاباں)

جلا کے عظمت آدم کی شمع دیرینہ
چراغ دیر و حرم کے بجھا دیے ہم نے

(اختر انصاری)

آہن نہیں کہ چاہیے جب موڑ دیجیے
شیشہ ہوں مڑ تو سکتا نہیں توڑ دیجیے

(وامق)

اے حریر و پرنیاں پر سونے والے لیڈرو
ہند کے سوکھے ہوئے کھیتوں کو پانی چاہیے

(احمد ندیم)

ستوں دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

(مجروح)

مجھے ہنگامۂ جنگ و جدل میں کیف ملتا ہے
میری فطرت کو خوں ریزی کے افسانوں سے نسبت ہے

(ساحر)

عزیز طلبا! مذکورہ مثالوں سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ جدید غزل کے فکری اسالیب اپنے سابقہ رویے سے بالکل

منحرف ہو کر سامنے آئے۔ حسن و عشق، رومان اور گل و بلبل کے نغمے سے باہر نکل کر سماجی حقائق اور عصری مسائل سے غزل کا دامن وسیع تر ہوا۔ اپنے جدید اسلوب و آہنگ کے ساتھ فرقہ وارانہ فساد، ہجرت جیسے مختلف النوع موضوعات کو غزل کی زبان میں بڑے موثر انداز اور خوبی سے برتا گیا۔ ترقی پسند کے ابتدائی دور میں غزل پر رومانوی رنگ غالب رہا، جس کی مثالیں مجاز اور جذبی کے یہاں کثرت سے دیکھی جاسکتی ہیں۔ فیض، پرویز شاہدی، تاباں، احمد ندیم، مجروح اور قتیل شفائی نے غزلوں میں اپنے خلاقانہ ذہن اور تجربات و مشاہدات کی بدولت ایک منفرد اختصاص پیدا کیا۔ فیض کی آہستگی، نغمگی اور سیاسی اشاریت، پرویز شاہدی کی راسخ العقیدگی، تاباں کی میانہ روی، مجروح کی کج کلاہی اور رمزیت، جان نثار اختر کی واقعیت اور قتیل شفائی کی تغزلیت نے اردو غزل کے منظر نامے کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔ ان شعرا کا تعلق جس قدر ترقی پسندیت سے تھا اتنی ہی نسبت انھیں کلاسیکیت سے بھی تھی۔ اس لیے ان لوگوں نے نئے استعارات، نادر تشبیہات، مجرد علامات، منفرد تر کیبات، جدید موضوعات اور نئی لفظیات سے جدید غزل کے خدوخال کو متعین کیا۔

1.3.3 جدیدیت کی غزل گوئی

ترقی پسندیت کے ردعمل میں یا اس کی توسیع کے لیے جدیدیت کا رجحان بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں اردو ادب پر اپنے انفرادی نقوش مرتب کرنے لگا تھا۔ مغرب کے زیر اثر وجودیت اور نفسیات کے فلسفوں نے اردو ادب کو متاثر کرنا شروع کر دیا۔ اجتماعیت کے بجائے انفرادیت کا اثر اور تصور ذہنوں پر غالب آتا چلا گیا اور جدیدیت کے زیر اثر ذاتی محسوسات کی ترجمانی پر توجہ دی جانے لگی۔ مغرب کے زیر اثر اردو میں ''وجودیت'' کا فلسفہ عام ہوا تو فرد کو اپنا ذاتی وجود، بھرپور معنویت کے ساتھ نئے سرے سے اجاگر ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ وجودیت کے فلسفے سے متاثر ہو کر اس نے اپنے کھوئے ہوئے وجود کو نئے سرے سے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ وجودیت کے فلسفے نے اسے اس بات سے آگاہ کیا کہ سماج اور معاشرے سے پوری طرح لاتعلق ہو جانا چاہیے۔ جب دوسروں کو اس کے وجود کی کوئی فکر نہیں ہے تو اسے کیا ضرورت ہے کہ دوسرے کے مسائل کو حل کرنے میں اپنا سکون غارت کرتا پھرے۔ اس رجحان نے ادب کا تصور بہت تیزی کے ساتھ تبدیل کرنا شروع کیا۔

جدیدیت کے زیر اثر نفسیات کا فلسفہ بھی ادب میں تیزی کے ساتھ عام ہوتا چلا گیا۔ فرائڈ نے بتایا کہ جنسی ناآسودگی کی خواہش، انسان کے خوابوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ عام طور پر ہم خوابوں میں انھیں خوابوں اور تمناؤں کو متحرک صورت میں دیکھتے ہیں جو ہماری حقیقی زندگی میں مختلف وجوہات کی بنا پر پوری نہیں ہو پاتیں۔ فرائڈ کے ان نظریات کی روشنی میں ادیبوں اور شاعروں نے اپنے مطمح نظر میں واضح تبدیلیاں پیدا کیں۔ شاعروں نے نفسیات کی مختلف گرہوں کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے غزلوں کی تخلیق میں دلچسپی دکھائی۔ زندگی کے نفسیاتی پہلوؤں کو ایک اہم موضوع بنا کر غزلیں کہی جانے لگیں۔ بالکل نئے زاویوں سے غزل میں امکانات کی نئی جہتیں تلاش کی گئیں اور جدید غزلیہ شاعری، زندگی اور ادب کے نئے تقاضوں اور میلانات سے آشنا ہونے لگی۔ اب تک انسانی شخصیت کے جن پوشیدہ پہلوؤں پر توجہ نہیں دی جاتی تھی، ان پہلوؤں کو تمام تر جزئیات کے ساتھ غزلوں میں سمیٹنے کی

شعوری کوشش کی گئی۔ غزل کے شاعروں نے نفسیات کے ذیل میں خود اپنے انفرادی محسوسات کو نئے زاویوں سے پیش کیا۔ نئے مسائل کی ترجمانی کے لیے نئے انداز و اسلوب کی حمایت کی گئی۔ غزل گو شعرا نے علامت نگاری کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے کی کوشش کی۔ غزلوں میں نئی نئی تشبیہوں، استعاروں اور علامتوں کا استعمال، فن کاری اور تخلیقی ہنر مندی کے ساتھ شروع کیا گیا۔ علامت نگاری کا رجحان، نت نئی شکلیں اختیار کرتا چلا گیا۔ نئی نئی علامتوں کے ذریعے غزلوں میں اظہار خیال کی فراوانی پیدا ہوئی۔ جدیدیت کے دور میں خارجی حسن کی ترجمانی کے بجائے داخلی کیفیات کی عکاسی کی جانے لگی۔

جدید اردو غزل گو شعرا میں ناصؔر کاظمی، خلیل الرحمٰن اعظمی، زیب غوری، شہؔریار، پرکاش فکری، باقؔر مہدی، مغنی تبسم، ندؔا فاضلی، ساقؔی فاروقی، افتخار عارف، بشیر بدؔر، مظفر حنفی، شمس الرحمٰن فاروقی، وحید اختر، محمد علوی، ظفر اقبال،، احمد مشتاق، مظہر امام، حسن نعیم، منچند ابانی، سلطان اختر، مخمور سعیدی، شمیم حنفی، کمار پاشی، شکیب جلالی، منیر نیازی، مظہر امام، زبیر رضوی، احمد فراز، پروین شاکر، کرشن موہن، شجاع خاور، عرفان صدیقی، عادل منصوری، جون ایلیا، وہاب دانش، صدیق مجیبی، لطف الرحمٰن، اسد بدایونی، عرفان صدیقی، عزیز نبیل وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے چند شعرا کے نمائندہ شعر بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصؔر
اداسی بال کھولے سو رہی ہے

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

(ناصر کاظمی)

جانے کیوں اک خیال سا آیا
میں نہ ہوں گا تو کیا کمی ہوگی

دنیا بھر کی رام کہانی کس کس ڈھنگ سے کہہ ڈالی
اپنی کہنے جب بیٹھے تو ایک ایک لفظ پگھلتا تھا

(خلیل الرحمٰن اعظمی)

دل دھڑک اٹھتا ہے کسی سے گفتگو کرتے ہوئے
دیکھنا سبزے کو پانی میں نمو کرتے ہوئے

(زیب غوری)

بھوک سے رشتہ ٹوٹ گیا تو مہ بے حس ہو جائیں گے
اب کے جب بھی قحط پڑے تو فصلیں پیدا مت کرنا
(شہریار)

زمیں چھوڑنے کا انوکھا مزا
کبوتر کی اونچی اڑانوں میں تھا
(محمد علوی)

چراغ جلتے ہی بینائی بجھنے لگتی ہے
خود اپنے گھر میں ہی گھر کا نشاں نہیں ملتا
(ندافاضلی)

خیمۂ عافیت کے طنابوں سے جکڑی ہوئی ہے خلقت شہر
جاننا چاہتی ہے کہ منزل سے کیوں راستہ مختلف ہے
(افتخار عارف)

سر اونچا آنکھیں روشن لہجہ بے باک ہمارا
تلوے زخمی ہاتھ بریدہ دامن چاک ہمارا
(مظفر حنفی)

اسی شہر میں کئی سال سے مرے کچھ قریبی عزیز ہیں
انھیں میری کوئی خبر نہیں مجھے ان کا کوئی پتہ نہیں
(بشیر بدر)

تھکے ہوئے تھے خیالوں کا ساتھ کیا دیتے
بہت سے لفظوں کو ہم نے شکستہ پا دیکھا
(شمیم حنفی)

جدید غزلوں میں شاعروں نے فرد کی فکری وذہنی آزادی کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ اس آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اظہار میں نت نئی پے چیدگی پیدا ہوتی چلی گئی۔ پہلے تو جدید غزلوں میں راست انداز کو اختیار کیا گیا جس میں غیر ضروری ابہام کا کوئی پہلو شامل نہیں تھا، لیکن رفتہ رفتہ شاعروں نے جدید ذہن کی فکری آزادی کے نام پر پے چیدہ علامتوں کا استعمال شروع کیا اور جدید غزلوں میں تجریدیت کی پرتیں نمایاں ہوتی چلی گئیں۔ جدید شاعری نے

کسی دوسرے فرد کے ساتھ تخاطب اختیار کرنے کے بجائے اپنے آپ سے باتیں کرنا شروع کیا اور اس طرح جدید غزلوں میں خود کلامی کا لہجہ رفتہ رفتہ حاوی ہونے لگا۔ جدید غزلوں میں ذات کے نہاں خانوں میں اترنے کی کوشش کی گئی۔ جدید غزلوں میں تشکیک کا رویہ بھی مختلف زاویوں سے نمایاں رہا۔ جب فرد اپنی ذات کے خول میں سمٹ گیا تو اسے اپنے علاوہ کسی کی فکر نہیں رہی۔ تمام لوگوں سے علیحدگی کا منفی نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اسے معاشرے کے کسی فرد پر بھروسہ نہیں رہا۔ وہ ہر فرد کو شک کے زاویے سے دیکھنے لگا اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں تشکیک کا یہی رویہ، غالب آتا چلا گیا۔ جدید غزلوں میں مذکورہ موضوعات کو بہ طور خاص نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی۔ تنہائی، افسردگی، مایوسی، اضطراب اور زندگی کی بے معنویت کو جدید غزلوں میں کثرت کے ساتھ استعمال کرنے کی کوشش کی گئی۔ جدید غزلوں میں زندگی کی خوش گوار قدروں سے محرومی بھی قدم قدم پر اجاگر ہوتی ہے۔ جدید غزلوں میں تحفظ ذات کا مسئلہ، ایک اہم مسئلے کے طور پر نمایاں ہوتا ہے۔ جدید غزلوں میں ہجرت اور بے گھری کے احساس کو بھی پرسوز لہجے میں ادا کیا گیا۔ اپنی زمین، اپنی مٹی سے بچھڑنے کا دکھ، اسے ہر لمحہ پریشان کرتا رہا۔ ایک تو بے گھری کا دکھ اس کی اذیتوں میں مسلسل اضافہ کرتا رہا، دوسرے ہجرت کا کرب برداشت کرتے ہوئے بھی حسرتیں دل میں باقی رہ گئیں۔ اس دوطرفہ انتشار نے اس کی ذہنی اذیتوں کا سلسلہ دراز کر دیا۔ جدید غزلوں میں ان تمام مسائل کو پوری شدت کے ساتھ نمایاں کیا گیا۔ جدید غزلوں میں فطرت کو ہی ایک اہم موضوع کے طور پر برتنے کی کوشش کی گئی۔ اس ضمن میں شعرا نے فطرت کے حسن عمومی بیان کرنے کے بجائے انسانی جذبات کو فطرت سے ہم آہنگ کیا۔ اس بنا پر بیان کی گئی سطحوں میں تنوع پیدا ہوا۔ ایک تو فرد کی ذاتی محسوسات کا دائرہ فطری مظاہر کے انسلاک سے مزید گہرا ہوا، دوسرے فطرت کی نیرنگیاں بھی حساس فرد کے مخصوص خیالات سے بامعنی رشتے قائم کرنے لگیں۔ الغرض یہ کہ جدیدیت کے تحریک کے زیر اثر جدید غزل نے عصر حاضر کے انسان کے وجودی مسائل کو موضوع سخن رکھا۔ غزل کی زبان میں تبدیلیاں آئیں، نئے استعارے اور علائم وضع کیے گئے۔ جدید غزل کی ایک اہم شناخت یہ رہی کہ روایتی غزل کے مثالی عشق کی جگہ دور حاضر میں معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ عشق کی بدلتی ہوئی گوناگوں کیفیات اور واردات کو حقیقت نگاری کے ساتھ پیش کیا جانے لگا۔ اظہار کے نت نئے اسالیب سے غزل کی صنف روشناس ہوئی۔

1.4 آپ نے کیا سیکھا؟

عزیز طلبا! اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ نے:

- جدید اردو غزل کلاسیکی غزل سے کس طرح مختلف ہے، اس کا ادراک حاصل کیا۔
- نوکلاسیکی غزل کے اختصاص اور ان کے نمائندہ شعرا کے متعلق معلومات حاصل کی۔
- ترقی پسند غزل گوئی کے مزاج سے واقفیت حاصل کی۔
- جدیدیت کی غزل گوئی کے انفرادی رویے کو سمجھا۔
- جدید غزل کے مضامین، اسلوب، لب ولہجہ میں عہد بہ عہد ہونے والی تبدیلیوں سے آگہی حاصل کی۔

1.5 اپناامتحان خودلیجیے

۱۔ کلاسیکی غزل کی شعریات سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟مختصراًاظہارخیال کیجیے۔

۲۔ کلاسیکی غزل سے انحراف کے اولین نقوش کس شاعر کے یہاں ملتے ہیں؟ مثال دے کر سمجھایئے۔

۳۔ جدیدغزل کی اہم اورنمایاں خصوصیات کون کون سی ہیں؟

۴۔ ترقی پسندغزل گوشعراکےاہم موضوعات کیاہیں؟

۵۔ جدیدیت کے زیراثر ہونے والی غزل گوئی کا اختصاص کیا ہے؟

1.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ کلاسیکی غزل کی شعریات میں تین بنیادی اجزاہیں۔اول رسومیات،دوم جمالیات اورسوم تصورکائنات۔ رسومیات سے مراد یہ ہے کہ وہ روایت اور طور طریقے جن کی مدد سے شاعری (غزل) کی داخلی اور خارجی صورت متعین ہوتی ہے۔ جمالیات کا مطلب یہ ہے کہ شعرکوزیادہ سے زیادہ حسین بنا کر پیش کرنا،جس کا انحصار لفظیات کے استعمال کی نوعیت پرتھااور کلاسیکی غزل کی لفظیات بھی متعین تھی۔ کلاسیکی غزل کی شعریات کا سب اہم جز تصورکائنات ہے۔اس تصور کے پیچھے عقیدہ اور تقدیر کا خاص دخل تھا۔انہیں تینوں تصورات کے پس منظر میں کلاسیکی شعراغزلیں کہتے تھے۔

۲۔ کلاسیکی غزل سے انحراف کی صورتیں سب سے پہلے غالبؔ کی غزل گوئی میں نظرآتی ہیں۔اگر چہ غالب بنیادی طور پرکلاسیکی غزل کے شاعر ہیں،لیکن اس کے باوجودان کے کلام میں عصری حقیقتوں کے عرفان نے ایک نئے موڑ کی بشارت دی۔لہٰذا جس طرح محمد حسین آزاد اور حالی جدید نظم کے پیش رو ہیں،عین اسی طرح غالب جدیدغزل کے اولین معمار ہیں۔ایک شعر بطورنمونہ دیکھیے:

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

پہلی بارکلاسیکی غزل میں یہ موضوع اٹھایا گیا کہ محبوب کے علاوہ دوسرے غم بھی قابل توجہ ہیں۔

۳۔ جدیدغزل کی اہم اورنمایاں خصوصیات مقصدیت،افادیت،فلسفیانہ افکار،وجودی مسائل،زاہد،واعظ، عابد پرطنز اور فقرے بازی سے گریز،صنائع بدائع،رعایت لفظی اورمناسبات معنوی کا کم استعمال اور مسلسل غزلوں کی طرف زیادہ میلان،عصری عرفان،تصورات اوراسالیب میں تبدیلی،عشق وعاشقی کے مضامین میں کمی،حسن بیان اورصنائع بدائع کے التزام سے گریز،سادہ اور روزمرہ کی زبان میں مفاہیم اداکرنے کارواج اوراعلیٰ مقاصد سے وابستگی وغیرہ ہیں۔

۴۔ ترقی پسند غزل گو شعرا کے اہم اور بنیادی موضوعات وقتی انتشار، فرقہ وارانہ فسادات، مذہبی تنفرات اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف احتجاج اور عوامی مسائل وغیرہ ہیں۔

۵۔ جدیدیت کی غزلیہ شاعری کا اختصاص یہ ہے کہ غزل زندگی اور ادب کے نئے تقاضوں اور میلانات سے آشنا ہوئی۔ انسانی شخصیت کے جن پوشیدہ پہلوؤں پر توجہ نہیں دی جاتی تھی، ان پہلوؤں کو تمام تر جزئیات کے ساتھ غزلوں میں سمیٹنے کی شعوری کوشش کی گئی۔ غزل کے شاعروں نے نفسیات کے ذیل میں خود اپنے انفرادی محسوسات کو نئے زاویوں سے پیش کیا۔ نئے مسائل کی ترجمانی کے لیے نئے انداز و اسلوب کی حمایت کی گئی۔ غزل گو شعرا نے علامت نگاری کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے کی کوشش کی۔ غزلوں میں نئی نئی تشبیہوں، استعاروں اور علامتوں کا استعمال، فن کاری اور تخلیقی ہنرمندی کے ساتھ شروع کیا گیا۔ علامت نگاری کا رجحان، نت نئی شکلیں اختیار کرتا چلا گیا۔ نئی نئی علامتوں کے ذریعے غزلوں میں اظہار خیال کی فراوانی پیدا ہوئی۔ جدیدیت کے دور میں خارجی حسن کی ترجمانی کے بجائے داخلی کیفیات کی عکاسی کی جانے لگی۔

1.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معنی)
معدوم	:	ناپید، مٹایا گیا
پرورده	:	پلا ہوا، پرورش یافتہ
رمز شناس	:	اشارہ، کنایہ یا پیچ دار باتوں کو سمجھنے والا
مستزاد	:	بڑھا ہوا
واردات ذہنیہ	:	ذہنی واردات
معاملات قلبیہ	:	دلی معاملات
ادراک	:	عقل، سمجھ
معتد بہ	:	کثیر، تعداد میں زیادہ
دل مضطر	:	مضطرب دل، پریشان دل
طنابوں	:	خیمہ کی رسیاں
خلقت شہر	:	شہر کے انسان
بریدہ	:	کٹا ہوا
نمو	:	بڑھوتری، بڑھنے کا عمل
آہن	:	لوہا، فولاد

1.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔	غزل اور مطالعۂ غزل	:	عبادت بریلوی
۲۔	اردو غزل	:	یوسف حسین خان
۳۔	جدید غزل	:	رشید احمد صدیقی
۵۔	اردو غزل کا تاریخی ارتقا	:	غلام آسی رشیدی
۶۔	ترقی پسند اردو غزل: آغاز وارتقا	:	محمد صادق
۷۔	جدیدیت اور نئی شاعری	:	شمیم حنفی

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY